جناب نیاز فتحپوری اور معجزات

ناقد بصیر عالیجناب مولانا اختر علی صاحب قبلہ تلہری مرحوم

جناب نیاز فتحپوری ملک کے مشہور اہل قلم ہیں۔ آپ کی فکری اور قلمی کاوشوں کا رقبہ موضوعات کے تنوع کے لحاظ سے بہت وسیع ہے خالص ادبی مسائل سے بحث کرنے کے ساتھ مابعد الطبیعیاتی مباحث میں بھی حصہ لیتے رہتے ہیں۔ آپ کی فکر وتحریر کی خاص خصوصیت بیبا کی ہے اور کبھی کبھی یہ بے باکی ایسا تلخ جارحانہ رنگ اختیار کر لیتی ہے جس سے بحث ونظر کی فضا بہت ناخوشگوار ہوجاتی ہے۔

آپ نے جون ۱۹۵۰ء کے نگار میں ''باب المراسلہ والمناظرہ'' کے تحت معجزے کے متعلق مولوی شبیر احمد صاحب کے کسی مقالہ کا جائزہ لیتے ہوئے اظہار خیال فرمایا تھا۔

نیاز صاحب کا مذہب کے متعلق جو عمومی انداز نظر ہے اس کے لحاظ سے انہیں معجزات کی عقلی حیثیت پر معترض ہونا ہی چاہیے لیکن مضمون زیر بحث میں جو امر میرے لئے قابل حیرت تھا وہ یہ کہ انہوں نے اعتراض کرنے کے جوش میں علمی ذمہ داریوں کی رعایت بھی نظر انداز کردی اور معجزے کے امکان کو خلاف عقل قرار دیتے ہوئے ایسی چیزیں لکھ گئے جنہیں مذہب کے حکیمانہ نقطۂ نظر کے لحاظ سے مسترد کردینا ضروری ہے۔

''معجزہ'' ارباب شریعت کی اصطلاح میں ایسا ''خارق عادت'' امر ہے جس کے ظاہر کرنے سے مدعا یہ ہوتا ہے کہ ایک نبی کے دعوائے نبوت کی تصدیق حاصل ہوجائے۔

خرق عادت سے ارباب شریعت کی مراد یہ ہے کہ دیکھنے میں جو فطرت کی عام معمولی رفتار ہے اس کے خلاف کسی امر کا واقع ہونا دوسرے لفظوں میں کسی شئی کا غیر معمولی اسباب اور غیر عادی وجوہ کے ذریعہ سے صادر ہونا۔ ایسی حالت میں جو چیز عادی اور معمولی اسباب کے ذریعہ سے واقع ہوگی اسے خرق عادت نہیں کہا جائے گا۔

اس تعریف کے دو خاص تضمنات Inplication ہیں ایک تو یہ کہ بشر اس کے وجود میں لانے سے عاجز ہو اور دوسرے یہ کہ اس میں تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری نہ ہوسکے۔

''خرق عادت'' کے اس مفہوم پر غور کرنے سے یہ صاف طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ اس کا تعلق انہیں امور سے ہوسکتا ہے جن میں اپنی ذات کے لحاظ سے وقوع کی ایک امکانی صلاحیت ہو۔ ظاہر ہے کہ اس صورت حال میں وہ چیزیں جن میں وجود میں آنے کی امکانی صلاحیت ان کی ذات کے لحاظ سے نہ ہوگی وہ اس کے دائرۂ عمل میں کسی صورت سے نہیں آسکتیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسی چیزوں پر اشیاء کا اطلاق بھی مجازی عنوان سے ہے تاکہ بات چیت میں آسانی ہو اور ممتنع التصور (یعنی جس کا تصور ہی سرے سے ناممکن ہو) کی تھوڑی بہت تصویر کشی ہوسکے۔

خدا کو قادر مطلق شریعت کی زبان میں کہا جاتا ہے لیکن اس کی قدرت مطلقہ کے دائرۂ اثر میں صرف ''محالات عادیہ'' کو لیا

جاتا ہے۔اس کی قدرت کے دائرۂ اثر میں صرف ''محالات عادیہ'' کو لیا جاتا ہے۔ ''محالات عقلیہ'' کو اس کی قدرت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا یہی سبب ہے کہ خدا کی قدرت کے کے دائرۂ اثر میں تخلیق مثل یعنی دوسرے واجب الوجود (خدا) کا پیدا کرنا نہیں آتا کیونکہ خدا کے مثل کا وجود محال عقلی ہے جس کا تصور ناممکن ہے ممتنع ہے، اسلئے اس سے خدا کی قدرت مطلقہ کا کوئی تعلق ہو ہی نہیں سکتا۔

جب صورت حال یہ ہے تو پھر معجزے کا تعلق محال عقلی سے کیونکر ہوسکتا ہے۔ یہ بات علم کلام کے بہت ہی ابتدائی مسائل سے ہے۔ ایسی حالت میں جناب نیازؔ فتحپوری کا فرمانا کہ بمولانا نے اپنے مقالہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ''معجزہ'' کو محال عادی اور محال عقلی دونوں سے متعلق کرتے ہیں حالانکہ رسولؐ اللہ سے جو معجزے منسوب کئے جاتے ہیں ان میں کوئی معجزہ ایسا نہیں ہے جس کا تعلق محال عادی سے ہو بلکہ سب کے سب محالات عقلیہ سے تعلق رکھتے ہیں ــ علمی حیثیت سے درخور اعتبار نہیں۔ ارباب مذہب رسول اللہ سے جتنے معجزے متعلق کرتے ہیں ان میں کسی کا بھی تعلق محال عقلی سے نہیں ہے، وہ تمام تر محال عادی سے متعلق ہیں۔

جناب نیازؔ کی اس بحث کو پڑھنے سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ذہن میں ''محال عقلی'' کا کوئی واضح مفہوم نہیں ہے وہ ان چیزوں کو جو عام عادت کے لحاظ سے مستبعد معلوم ہوتی ہیں محال عقلی سمجھ رہے ہیں۔

ایک جگہ انہوں نے ''محال عادی'' کو صاف لفظوں میں ''محال عقلی'' قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں ''اس میں وہ باتیں شامل نہیں ہیں جو عقلاً محال ہیں مثلاً گیہوں کے درخت سے آم کا پیدا ہونا، جانور کا انسان کی طرح باتیں کرنے لگنا یا دو اور دو کے مجموعہ کا چار سے زائد ہوجانا۔''

اس میں دو اور دو کے مجموعہ کا چار سے زائد ہوجانا تو ''محال عقلی'' ہے کیونکہ اس کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا لیکن پہلی دونوں باتیں ''محال عادی'' ہیں محال عقلی نہیں ہیں عقل ان کا تصور کرتی ہے ان کے تصور سے تضاد وتناقض وغیرہ کوئی امر لازم نہیں آتا۔

''معجزہ'' کے خلاف جدید فلسفیوں کی جماعت میں ہیومؔ بہت پیش پیش ہیں مگر اس اختلاف کا راستہ دوسرا ہے اور چونکہ اس نے ''معجزہ'' کے بارے میں خواہ مخواہ ہی متحرفانہ اظہار کیا ہے اس لئے اس کے قدم بھی اس راستہ میں بہکے بہکے ہی پڑے ہیں اور خود اس کا فلسفہ ''معجزہ'' کے متعلق اس کے خیالات کی تردید کردیتا ہے۔ ہکسلےؔ مشہور سائنسداں اور فلسفی ہے اور ہیومؔ کے فلسفہ کا ایک حد تک شارح بھی۔ اس نے اپنے فاضلانہ مضمون ''ممکنات وناممکنات'' میں لکھا ہے:

''میں صحیح معنوں میں تناقض کے سوا اور کسی بھی ایسی چیز سے واقف نہیں ہوں جس کو ناممکن کہنا حق بجانب ہو۔ منطقی ناممکنات کا وجود ہے لیکن طبعی ناممکنات کا قطعاً کوئی وجود نہیں۔ ''مربع مدور'' ''ماضی موجود'' ''دو متوازی خطوط کا تقاطع'' یہ چیزیں ناممکنات سے ہیں اس لئے کہ مدور موجود اور تقاطع کا تصور ہی مربع ماضی اور دو متوازی خطوط کے تصور کے متناقض ہے۔ لیکن پانی پر چلنا یا پانی کو شراب بنادینا، بچے کا بغیر باپ کے پیدا ہونا، مردہ کو زندہ کردینا، یہ چیزیں مفہوم بالا کی رو سے ناممکنات سے نہیں ہیں۔ ہاں اگر ہم یہ دعویٰ کرسکتے کہ فطرت اشیاء کے متعلق ہمارے علم نے تمام ممکنات کا کامل احاطہ کرلیا ہے تو شاید یہ کہنا بجا ہوتا کہ آدمی کے صفات چونکہ پانی پر چلنے یا ہوا میں اڑنے کے متناقض ہیں اس لیے یہ افعال اس کے لئے

ناممکن ہیں۔ لیکن یہ حقیقت روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ علم فطرت کی انتہا تک پہونچنا کیسا ابھی تک ہم اس کی ابتدا اور ابجد سے آگے نہیں بڑھے ہیں بلکہ ہماری قوتیں اس قدر محدود ہیں کہ کبھی بھی ہم ممکنات فطرت کی حد بندی نہیں کر سکتے جو کچھ واقع ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے اس کا ہم کو علم ہے باقی جو ہونے والا ہے اس کی نسبت ہم صرف ایک توقع کر سکتے ہیں جس کی بنیاد کم و بیش گذشتہ تجربہ کے صحیح سمجھنے پر ہے جس سے ہم کو خیال ہوتا ہے کہ مستقبل ماضی کے مماثل ہوگا۔''

اسی ہکسلے نے معجزات سے بحث کرتے ہوئے اپنے مقالات کی پانچویں جلد میں صاف صاف لکھا ہے'' رہا مریم کے کنوار پن میں مسیح کا پیدا ہونا تو نہ یہ صرف ممکن التصور شے ہے بلکہ علم الحیات کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ بعض اصناف حیوانات میں یہ روز آنہ کا واقعہ ہے۔ (ہکسلے کے زمانہ میں تحقیق کے قدم اسی منزل تک پہونچے تھے لیکن اب انسانوں میں بھی طبعیات کے ماہرین اس کے وجود کا اعتراف کر رہے ہیں۔ چنانچہ حال کے اخبارات میں کسی ایسی عورت کا وجود تسلیم کیا جا رہا ہے جس کے ہاں بغیر باپ کے ولادت ہوئی۔ اختر تلہری) یہی حال ''احیائے موتی'' مردوں کو زندہ کرنے کا ہے کہ بعض جانور مومیوں کی طرح بالکل خشک ہو جاتے ہیں اور عرصہ تک اسی حالت میں رہتے ہیں لیکن جب ان کو مناسب حالات میں رکھ دیا جاتا ہے تو پھر ان میں جان آ جاتی ہے۔''

ان اقتباسوں سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ نئے فلسفی بھی محال عقلی کے متعلق اسی راستہ پر ہیں جو قدیم متکلمین کا تھا۔ وہ بھی ان مستبعدات محالات عادی کو ناممکن الوجود نہیں سمجھتے ہیں ان کے نزدیک بھی ان امور کا وجود ممکن ہے۔

اس کی مزید تائید جان اسٹورٹ مل کے نظام منطق کے بعض اقتباسات سے بھی ہوسکتی ہے۔ جنہیں ضرورت پر دیکھا جا سکتا ہے۔

نیازؔ صاحب نے اگر اس سلسلہ میں ''محال عقلی'' کا ذکر نہ چھیڑا ہوتا اور جرمنی کے مشہور فلسفی ہیگل کی پیروی کرتے ہوئے یہ کہا ہوتا کہ: کائنات کا ہر ذرّہ قانون کا پابند ہے اور وہم و بے عقلی انسان کی بدترین دشمن ہے۔ عقل اور حکمت بہترین دوست ہیں لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ جہاں کہیں عقیدۂ معجزات کا پتہ چلے اس پر حملہ کریں — تو زیادہ مناسب ہوتا لیکن حقیقتاً ہیگل کا نقطۂ نظر بھی فلسفیانہ استحکام نہیں رکھتا۔

یہ سچ ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ قانون کا پابند ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ صحیح قانون کا علم بھی تو ہو۔ ہوسکتا ہے کہ ہم نے اپنے ناقص تجربہ علم کی بنا پر جسے قانون سمجھ لیا ہے وہ اصلی و واقعی وحقیقی قانون کی ترجمانی ہو۔ حقیقی قانون کے بہت سے عناصر ہماری نگاہوں سے اوجھل رہے ہوں۔ ہم اپنے محدود و ناقص علم کی وجہ سے جس چیز کے واقع ہونے کو کائنات کے قوانین کی خلاف ورزی سمجھ رہے ہیں وہ در حقیقت قانون کی پابندی ہی کا کوئی مظہر ہو۔ علت و معلول کے حقیقی سلسلہ اور ہر ایک سبب ومسبب کے واقعی لوازم و آثار پر آدمی کا مطلع ہونا ممکن نہیں ہے اس لئے قانون فطرت کو اپنے تجربہ میں محدود کر دینا اور اس سے انحراف کو قانون فطرت کے خلاف کہنا اور پھر اس کے محال ہونے کا دعویٰ کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا۔

فلسفہ کا فیصلہ تو یہی ہے، اب اپنے توہمات میں الجھی ہوئی فکر ونظر اس سلجھے ہوئے مسئلہ کو جیسے چاہے الجھائے قائلین خدا کے نزدیک اس بحث میں خدا کی مشیت، عزم اور ارادہ کو بھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ سلسلۂ قبل Causation بالآخر اسی مشیت پر ختم ہوگا

بقیہ صفحہ ۴۱ پر

ہے۔ مدرسہ، کتاب استاد یہ سب اسی گوہر نایاب کو حاصل کرنے کے وسائل ہیں۔ جب میں دینی مراکز کی اصلاح کی بات کر رہا ہوں تو میری مراد ان مدارس سے نہیں ہے جو پاک اور باصفا علماء کے زیر نگرانی ایمانی اور روحانی ماحول میں چل رہے ہیں بلکہ میری مراد وہ ادارے ہیں جہاں انتظامی صلاحیتوں سے محروم افراد ان مدارس اور اداروں کے سرپرست بنے بیٹھے ہیں۔

بقیہ نیاز فتحپوری۔۔۔۔۔۔۔۔

ورنہ انسانی ذہن کو ''تسلسل'' سی محال چیز کے سلسلہ میں مسلسل ہو کر ناکارہ ہوجانا پڑے گا۔

عام طور سے آگ کا کام جلانا سمجھا جاتا ہے اور ہمارا عمومی تجربہ بھی یہی ہے لیکن مشیت ایزدی ''یانار کونی بردا و سلاما علیٰ ابراھیم'' کے مطابق جلا دینے والی حرارت کو خاص حالات میں معتدل برودت میں تبدیل کرسکتی ہے اور اپنے ہی بنائے قوانین کے تحت تبدیل کرسکتی ہے۔ کسی چیز سے اس کے خواص ظاہر ہونے کے لئے بہت سے شرائط ہوتے ہیں۔ اور ایسے بہت سے طبیعی موانع ہوسکتے ہیں جو ان کے ظہور کو روک دیں اس لئے **قل کل یعمل علی شاکلته فلن تجد لسنة الله تبدیلا و لن تجد لسنة الله تحویلا خلق کل شئی فقدر لاتقدیراً کل شئی عند لا بمقدار ہ** وغیرہ آیات کے مفہوم کو اس سے ذرا بھی خلاف ورزی لازم نہیں آتی۔ سنۃ اللہ قانون فطرت وغیرہ کسی چیز کو مطلقاً قرار دے دینا آسان ہے لیکن اس حقیقت پر علمی حیثیت سے حاوی ہوجانا بہت ہی مشکل ہے اور انسان کے اس نقص و عجز کا برابر تجربہ ہوتا رہتا ہے۔

ایک بات اور نیازؔ صاحب نے ولادت نبویؐ کے وقت ایوان کسریٰ میں زلزلہ آنے کو معجزے سے تعبیر کیا ہے حالانکہ اصطلاح علم کلام میں ایسے خارق عادت امور کے وقوع کو جو قبل دعویٰ نبوت واقع ہوں ''ارہاص'' کہا جاتا ہے۔

اس بحث کے آخر میں نیاز صاحب نے یہ بات البتہ ٹھیک لکھی ہے کہ ''اب وہ زمانہ نہیں کہ رسول اللہ کی عظمت کو ان دلائل سے ظاہر کیا جائے کہ آپ کے جسم کا سایہ نہ تھا آپ کی رسالت کی گواہی کنکریوں نے دی، درختوں نے جھک کر آپ کو سلام کیا بلکہ وقت کا اقتضا یہ ہے کہ رسول اللہ کے اسوۂ حسنہ اور ان کے غیر معمولی بلند کردار کو پیش کر کے بتایا جائے کہ محمدؐ کتنا بڑا انسان تھا اور جو تعلیم اخلاق اس نے پیش کی ہے وہ کتنی جامع، کتنی مکمل اور کس درجہ بلند ہے'' ہمارے واعظین کرام اور مبلغین کو اس مشورہ پر سنجیدگی سے عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ زمانہ کی پسندیدگی کا معیار بدل چکا ہے کسی چیز کی اہمیت اور عظمت کے پرکھنے کا انداز اب دوسرا ہے اسی لئے انہیں بھی اپنے موعظت و تبلیغ کے راستے بدلنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

امام علی علیہ السلام نے فرمایا:

* فرزند کا باپ پر ایک حق ہوتا ہے اور باپ کا فرزند پر ایک حق ہوتا ہے۔ باپ کا حق یہ ہے کہ بیٹا ہر مسئلہ میں اس کی اطاعت کرے معصیت پروردگار کے علاوہ۔ اور فرزند کا حق باپ پر یہ ہے کہ اس کا اچھا سا نام تجویز کرے اور اسے بہترین ادب سکھائے اور قرآن مجید کی تعلیم دے۔ (نہج البلاغہ کلمات قصار/۳۹۹)